دفاعِ حدیث!

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

۱۔ رضاعت کبیر کا مسئلہ:

اسلام عقل اور منطق کا مخالف ہرگز نہیں ہے، لیکن صرف اپنی خواہشات اور تعصّبات کو عقل کا نام دے کر اسلام کو اس سے ٹکرا دیجئے تو نتائج برے ہی آتے ہیں، کوئی خاتون دو سال سے بڑے لڑکے یا جوان مرد کو دودھ نہیں پلا سکتی، یہ اسلام کا قاعدہ، قانون اور ضابطہ ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ اتھارٹی دے رکھی ہے کہ آپ اسلام کے کسی قاعدے سے اللہ کے اذن سے کسی شخص کو مستثنیٰ کر سکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک عجیب طرح کا کیس سامنے آیا، یہ سیدہ سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا اور سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے، ہوا کچھ یوں کہ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہما نے سالم کو منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا، آپ سیدہ سہلہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہتے اور ان کے بیٹے شمار کیے جاتے تھے۔

پھر اللہ کا حکم آ گیا کہ متبنی کو اس کے اصل باپ کی طرف ہی منسوب کریں:

﴿اُدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾(الأحزاب : 5)

حکم مان لیا گیا، لیکن مشکل یہ ہوئی کہ اس حکم کے بعد لازمی طور پر سیدہ سہلہ رضی اللہ عنہا کو سالم سے پردہ کرنا تھا، تو جس کو بیٹا بنا کر پالا ہو، اس سے پردہ کرنا اور یک لخت اس سے جدا

ہو جانا، سہلہ رضی اللہ عنہا پر گراں گزرا، ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ بھی بہت پریشان ہوئے۔

تب سیدہ سہلہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلی آئیں، عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ معاملہ درپیش ہے، فرمایا:

أَرْضِعِيهِ، قَالَتْ : وَكَيْفَ أُرْضِعُهُ؟ وَهُوَ رَجُلٌ كَبِيرٌ، فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ : قَدْ عَلِمْتُ أَنَّهُ رَجُلٌ كَبِيرٌ .

''آپ اسے دودھ پلا دیں، کہنے لگیں: دودھ کیسے پلا دوں، وہ تو بڑے ہو گئے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے، فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ وہ بڑے ہو چکے ہیں۔''

(صحيح مسلم : 1453، المنتقى لابن الجارود : 690)

اسلامی احکام کی رو سے، یہ حدیث بالکل صحیح اور ثابت ہے، اس میں دو رائے نہیں، کیونکہ عمومی قاعدہ دودھ نہ پلانے کا سہی، لیکن کسی ایک شخص کو استثنا دے دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار ہے، سو آپ نے اپنا اختیار استعمال کیا اور یہ اللہ کی اجازت سے ہوا۔

اس کی سند بھی صحیح ہے، بیان کرنے والے سچے ہیں، ائمہ ہیں، ان کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا گیا، بلکہ بعد از تحقیق بسیار ان کو سچا پایا گیا، پھر قرآنی حکم کے مطابق ان کی دی ہوئی خبر کو قبول کر لیا گیا، یہ حدیث عقل اور منطق کے کسی ایک تقاضے کے مخالف نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت قطعی ہے۔

لیکن ملحدین، منکرین حدیث اور عقل پرستوں نے اپنی عادت کے مطابق اس حدیث پر مختلف طریقوں سے اعتراضات وارد کر رکھے ہیں، ملحدین کو یہ چیز شرم وحیا کے منافی نظر آتی ہے، حالانکہ یہ وہی لوگ ہیں، جن کے نزدیک سرے سے شادی کی ضرورت تک محسوس

نہیں کی جاتی، مردوزن کے ہمہ جہتی تعلقات ان کا من پسند موضوع ہیں، اس سلسلہ میں اسلام کو ہدف تنقید بھی بناتے رہتے ہیں، لیکن یہاں آن کر ان کو شرم وحیا یاد آ جاتی ہے!

اسی طرح جدید منکرین حدیث کا معاملہ ہے، جو کلی طور پر احادیث کے انکار کی جرأت نہیں پاتے، لیکن کچھ نہ کچھ احادیث کے مضمون کو سمجھے بغیر ان پر رد کرنا اپنا فرض منصبی سمجھ لیتے ہیں، وہ اسے اپنے ایمان کا تقاضہ بھی قرار دیتے ہیں، ولے حیرت، کہ ان کا ایمان پوری امت سے بڑھ گیا ہے؟ کیا یہ لوگ بخاری، مسلم اور احمد بن حنبل کیسے ائمہ سنت سے زیادہ غیور واقع ہوئے ہیں، پوری امت نے قرن ہا قرن اس حدیث کو تلقی بالقبول سے نوازا ہے، فقہا نے اس حدیث پر اختلافات کی بنیاد رکھی ہے، استنباط واستدلالات کئے ہیں، لیکن کسی ایک نے بھی نہیں کہا کہ مذکورہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہوسکتی، یا عقل کے تقاضے اس سے ابا کرتے ہیں۔

وہ لوگ اصول تحقیق اور عقل ومنطق سے اچھی طرح واقف تھے، وہ اسلام کے مزاج کو بھی سمجھتے تھے، اسی لئے ان کو اس حدیث میں قابل اعتراض چیز نظر نہیں آئی، وہ قبول کرتے آئے، محدثین، شارحین حدیث، فقہا، متکلمین اور خطبا اس پر اپنے استدلال کی بنیادیں رکھتے رہے۔

بجا کہ ایک خاتون ایک مرد کو دودھ نہیں پلاسکتی، لیکن کسی کا استثنا بھی تو ہوسکتا ہے، یہ ویسا ہی استثنا سمجھ لیجئے، جیسا استثنا عمومی حالات میں ہوتا ہے، ایک خاتون عام مردوں کے سامنے برہنہ نہیں ہوسکتی، لیکن اپنے خاوند کے ساتھ بعد از برہنگی معاملات بھی طے کرتی ہے، اس کو کوئی بھی بے حیائی اور بے شرمی نہیں کہتا، بلکہ اس کو ضروری امر قرار دیا جاتا ہے، جب ان معاملات میں ایک خاتون کے لئے ایک مرد کا استثنا ثابت ہوجانے سے وہ بے حیا

نہیں ہو جاتے، تو ایک منہ بولے بیٹے کو بڑی عمر میں دودھ پلا دینے سے ایک ماں بے حیا کیوں کر ہوگئی؟ یا اس میں حیا کے منافی پہلو کون سے آ گئے؟

امت کے ایک خاص ماں بیٹے کا معاملہ تھا، سالم کو منہ بولے بیٹے سے رضاعی بیٹا بنانا تھا، اس کے لئے مذکورہ فعل سے بہتر کوئی راستہ موجود نہیں تھا، سو یہی راستہ اختیار کر لیا گیا۔

یہ ایک صحابی کے لئے رخصت ہے کہ اس کا پریشان رہنا اللہ کو منظور نہ تھا، وہ تو وہ لوگ تھے، اللہ پر قسم اٹھا لیتے تھے، تو اللہ ان کی قسموں کی لاج رکھ لیا کرتا تھا، ایک صحابی کی گواہی کو دو کے برابر قرار دے دیا جاتا تھا، ان کو اگر قربانی کا مطلوب جانور نہیں ملتا تھا، تو ان کو کھیرے جانور کی قربانی کی اجازت دے دی جاتی تھی، بعینہ یہ رخصت بھی دے دی گئی تھی۔

اب یہاں کوئی اعتراض اٹھا سکتا ہے کہ سالم نے اس عورت کو چھوا بھی ہوگا، جبکہ چھونا حرام ہے، اس اعتراض کا جواب مگر صدیوں پہلے دیا جا چکا ہے۔

شارح صحیح مسلم، حافظ نووی (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ الْقَاضِي : لَعَلَّهَا حَلَبَتْهُ ثُمَّ شَرِبَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَمَسَّ ثَدْيَهَا وَلَا الْتَقَتْ بَشَرَتَاهُمَا وَهٰذَا الَّذِي قَالَهُ الْقَاضِي حَسَنٌ وَيَحْتَمِلُ أَنَّهُ عُفِيَ عَنْ مَسِّهِ لِلْحَاجَةِ كَمَا خُصَّ بِالرَّضَاعَةِ مَعَ الْكِبَرِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ .

''قاضی عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں: ممکن ہے کہ سیدہ سہلہ رضی اللہ عنہا نے سالم کو دودھ نکال کر دے دیا ہو اور انہوں نے پی لیا ہو، سینے کو نہ چھوا ہو، دونوں کے جسم آپس میں نہ ملے ہوں، قاضی رحمہ اللہ کی یہ بہت خوب صورت توجیہ ہے۔ یہاں ایک دوسری صورت بھی ممکن ہے، وہ یوں کہ جب ایک شخص کو خاص طور پر

دودھ پینے کی اجازت دی جا سکتی ہے، اسے چھونے میں بھی عام قاعدے سے استثنا مل سکتا ہے۔''

(شرح صحیح مسلم : 31/10)

آخر میں ہم اسی مسئلہ کے ایک اہم جزو کی طرف اشارہ کریں گے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور متاخرین میں سے حافظ ابن حزم رحمہ اللہ وغیرہ نے رضاعت کبیر کو جائز قرار دیا ہے اور اسی حدیث کو بنیاد بنایا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور علامہ شوکانی رحمہ اللہ بحالت مجبوری اس چیز کے جواز کے قائل تھے، یعنی یہ بزرگ اور خود ہماری ماں، اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتی تھیں، تب ہی تو اس سے استدلال بھی جائز سمجھتی تھیں، وگرنہ اس سے استدلال لینے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ وہ الگ بات کہ ان بزرگوں کا مذکورہ استدلال درست نہیں، کیونکہ خود دیگر ازواج مطہرات نے ماں جی عائشہ رضی اللہ عنہا سے اختلاف کیا تھا۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

أَبٰى سَائِرُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُدْخِلْنَ عَلَيْهِنَّ أَحَدًا بِتِلْكَ الرَّضَاعَةِ، وَقُلْنَ لِعَائِشَةَ : وَاللّٰهِ مَا نَرٰى هٰذَا إِلَّا رُخْصَةً أَرْخَصَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِسَالِمٍ خَاصَّةً، فَمَا هُوَ بِدَاخِلٍ عَلَيْنَا أَحَدٌ بِهٰذِهِ الرَّضَاعَةِ، وَلَا رَائِينَا .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویوں نے اس سے انکار کیا کہ کوئی اس طرح رضاعت کا رشتہ ثابت کر لے، وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی تھیں کہ بخدا! یہ چیز ایک رخصت تھی، جو سیدنا سالم رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص تھی، اس قسم کی رضاعت کی بنا پر کوئی شخص ہمارے پاس نہ آئے اور نہ ہم کو دیکھے۔''

(صحیح مسلم : 1454)

اس پر بھی غور کیجئے کہ امہات المومنین نے بھی ہرگز اس روایت سے انکار نہیں کیا، بلکہ انہوں نے بھی اس کو رخصت سے تعبیر کیا، لیکن آج کچھ بد بخت شاید امت کی ماؤں سے بھی زیادہ غیور واقع ہوئے ہیں، تف ہے ان کی اس سوچ پر!

۲۔ موسیٰ علیہ السلام کو اذیت:

قرآن کریم نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسٰى فَبَرَّأَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيهًا﴾(الأحزاب : 69)

''اہل ایمان! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا، جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دی تھی، تو اللہ نے آپ کو ان کے الزامات سے مبرا قرار دیا، موسیٰ علیہ السلام اللہ کے ہاں وجیہ شخصیت کے مالک تھے۔''

اس آیت میں اشارہ دیا گیا ہے کہ بنو اسرائیل نے آپ علیہ السلام کے جسم کے متعلق عیب جوئیاں کی تھیں، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم حیا کا فطری درس بھلا چکی تھی اور معاشرے میں برہنگی کا عروج تھا، تہذیب وتمدن سے پردہ کی خصوصیات مٹ چکی تھیں، یہ ایک ہی حمام میں نہا لیتے تھے، ایک دوسرے کی شرمگاہوں کو دیکھ بھی لیا کرتے تھے، برہنگی ان کے لئے فخر کا باعث تھی، انسان جب فطرت سے لڑنے بیٹھ جائے، تو اس میں ایک طرح سے تفاخر کی نفسیات جنم لیتی ہیں، وہ تمام بنی نوع انسان کو اپنے جیسا بنا لینے کی کوشش کرتا ہے۔

وہ اپنے ننگے پن کو نظریات کے خوب صورت لبادے میں چھپانا چاہتا ہے، ایسے میں

اس کو کوئی فطرت کی طرف واپس لانا چاہے، تو یہ اس کا مذاق اڑاتا ہے، بلکہ اس پر الزام واتہام رکھنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہی بیتی، آپ چونکہ فطرت کے پیامبر تھے، اس لئے شرم وحیا کا مجسم نمونہ بھی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آپ اپنی قوم سے الگ تھلگ جا کر غسل کیا کرتے تھے، تب پھر قوم نے ان پر طرح طرح کے الزام لگانے شروع کر دیئے، وہ کہتے تھے کہ موسیٰ کو یا تو برص کی بیماری ہے، یا پھر ان کے خصیتین بڑے بڑے ہیں، اس لئے وہ ہمارے ساتھ مل کر نہیں نہاتے ہیں اور شاید اسی لئے چھپتے پھرتے ہیں۔

یہ سلسلہ چہ مگوئیوں سے شروع ہوا ہوگا اور طعنوں تک پہنچ گیا ہوگا، لوگ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اس پر تکلیف دیتے ہیں، ہوٹنگ کرتے ہیں، عجیب نظروں سے دیکھتے ہیں، یوں بھی ہوتا ہوگا کہ کبھی دعوت دینے کے لئے جائیں اور قوم ان سے بھاگ جاتی ہو، ذہن کو اس طرح کے دھچکے لگنے کا عمل انتہائی تکلیف دہ ہوا کرتا ہے اور ایسی باتیں دعوت کے عمل میں حائل ہو جاتی ہیں۔

کبھی سوچیے تو، جب الزامات واتہامات کا سلسلہ اتنا دراز ہو چکا ہو، تب پھر کوئی انسان ان سے نکلنے کا کیا طریقہ اختیار کر سکتا ہے؟

یا تو وہ لوگوں کو بتائے کہ میں ایسی ویسی بیماری سے بری ہوں، لیکن جب پوری قوم ایک الزام پر متفق ہو چکی ہو، وہ صرف کہنے سے کب مانتی ہے۔

دوسری صورت یہ ہو سکتی تھی کہ آپ اپنی قوم کے سامنے ننگے ہو کر چلے جاتے، ان کے ساتھ مل کر نہا لیا کرتے، اس سے یہ الزام مٹ جاتا، مگر دین کی دعوت دب جاتی، جس نبی نے لوگوں کو حیا کا درس دینا ہو، وہ خود ان کے سامنے ننگا پھرے، کیسا عجیب لگتا ہے، حالات

کنٹرول سے باہر ہو چکے اور اذیتوں کا یہ سلسلہ اتنا دراز ہوا کہ اللہ کے نبی کو قوم سے کہنا پڑا:

﴿يَا قَوْمِ لِمَ تُؤْذُونَنِي وَقَدْ تَعْلَمُونَ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ﴾

(الصّفّ : 5)

''میری قوم! مجھے تکلیف کیوں دیتے ہو، تم جانتے بھی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔''

ان جملوں میں غور کیجئے، کیسا بے بسی کا عالم ہے، کتنا کرب اور کتنی اذیت ہے کہ ایک صابر پیغمبر تڑپ کر کہہ اٹھا ہے، اب بس بھی کرو، میں تمہارا نبی ہوں، مجھے اللہ نے بھیجا ہے۔

تب پھر اللہ نے ان کی برأت کا انتظام کیا، قوم کے منہ بند کرنے کا رستہ نکالا گیا، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

فَخَلَا يَوْمًا وَحْدَهُ، فَوَضَعَ ثِيَابَهُ عَلَى الْحَجَرِ، ثُمَّ اغْتَسَلَ، فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ إِلٰى ثِيَابِهٖ لِيَأْخُذَهَا، وَإِنَّ الْحَجَرَ عَدَا بِثَوْبِهٖ، فَأَخَذَ مُوسٰى عَصَاهُ وَطَلَبَ الْحَجَرَ، فَجَعَلَ يَقُولُ : ثَوْبِي حَجَرُ، ثَوْبِي حَجَرُ، حَتّٰى انْتَهٰى إِلٰى مَلَإٍ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَرَأَوْهُ عُرْيَانًا أَحْسَنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ، وَأَبْرَأَهُ مِمَّا يَقُولُونَ، وَقَامَ الْحَجَرُ، فَأَخَذَ ثَوْبَهُ فَلَبِسَهُ، وَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا بِعَصَاهُ، فَوَاللّٰهِ إِنَّ بِالْحَجَرِ لَنَدَبًا مِّنْ أَثَرِ ضَرْبِهٖ، ثَلَاثًا أَوْ أَرْبَعًا أَوْ خَمْسًا .

''ایک روز وہ قوم سے الگ تھلگ نہا رہے تھے، اپنے کپڑے ایک پتھر پر رکھ دیئے تھے، نہا کر نکلے اور پتھر سے کپڑے اٹھانے کو آئے، تو پتھر آگے کو چلنے

لگا، آپ اس کے پیچھے بھاگنے لگے اور آوازیں لگاتے جاتے تھے، پتھر میرے کپڑے دے دو، پتھر میرے کپڑے۔ یوں ہی وہ بنواسرائیل کے ایک گروہ کے پاس جا کر پتھر رک گیا، موسیٰ علیہ السلام نے پتھر سے کپڑے لئے، پہنے اور پھر غصے میں پتھر کو مارنے لگے، تین چار پانچ ڈنڈے مارے، پتھر پر نشان پڑ گیا۔''

ادھر بنی اسرائیل نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ موسیٰ علیہ السلام تو اللہ کی حسین ترین تخلیق ہیں، یوں اللہ نے اپنے نبی کو ان الزامات سے مبرا کر دیا۔

(صحيح البخاري : 3404)

یہ حدیث صحیح بخاری (۲۷۸) اور صحیح مسلم (۳۳۹) میں بھی آتی ہے۔

اللہ اللہ! خدا نے اپنے نبی کے لئے کتنا خوب صورت انتظام کیا، آپ کبھی سوچئے اور سوچ سوچ کر تھک جائیے کہ ایسی صورت حال میں اپنے نبی کی برأت کا اس سے بہتر انتظام کوئی ہو سکتا تھا؟

لیکن ٹیڑھے دل کو یہاں بھی اعتراض کی سوجھتی ہے، اس کو یہ اعتراض ہے کہ ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے، موسیٰ علیہ السلام کا ننگا ہو جانا اسلام کے خلاف ہے۔

لیکن ان کو کوئی بتائے کہ وہ خود سے ننگے ہوں، تب واقعی اسلام کے خلاف ہے، لیکن ان کو کسی مجبوری کی وجہ سے ننگا دکھا دیا جائے، تو اسلام کے خلاف کیسے ہو گیا؟

مجبوری کی حالت میں معالج یا کوئی دوسرا شخص انسانی بدن کو دیکھ سکتا ہے، حتیٰ کہ چھو بھی سکتا ہے، تو ایسی ہی ایک کنڈیشن میں اللہ کی طرف سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر لگنے والے الزام کو غلط کر دیا گیا، جس میں ایک نبی پر برہنگی کا الزام بھی نہیں آیا اور لوگوں کے سامنے اصل حقیقت بھی کھل گئی، الزامات جاتے رہے، طعنے اور پھبتیاں ہوا ہوئیں۔

کج فہموں کا ماننا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایسی بات نہیں فرما سکتے، ان سے کوئی پوچھے کہ رسول اللہ ﷺ ایک واقعہ کیوں بیان نہیں کر سکتے، کیا آپ پر واقعہ بیان کرنے پہ پابندی ہے؟

قرآن نے یہ واقعہ اجمالا بیان کیا، اس میں بتایا گیا کہ اعتراض آپ کے جسم کے کسی حصہ پر تھا، کیا منہ پر اعتراض تھا؟

منہ کو انسان چھپاتا ہی کب ہے، جو منہ پر اعتراض ہو؟

اعتراض جسم پر تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کو تفصیل سے بیان کر دیا کہ جسم پر کیا اعتراض تھا، شرمگاہ کے علاوہ کوئی اعتراض ہوتا، تو موسیٰ علیہ السلام ان کو دکھا دیتے، تب پھر اذیت کی صورت ہی باقی نہیں رہ جاتی تھی۔ اذیت بنتی کب ہے؟

جب وہی اعتراض ہو، وہی صورت حال ہو، جو حدیث میں بیان کر دی گئی ہے اور پھر اللہ نے اس اذیت سے نکال لینے کا جیسا انتظام کر دیا، ویسا ہی ممکن تھا، اگر کچھ اور ممکن تھا، تو آپ ضرور بتائیے!

محدثین امت، ائمہ اسلام، سلف امت اور اہل سنت اس واقعہ کو تسلیم کرتے ہیں اور اسے تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں پاتے، تم اپنے غصے میں پاگل ہو جاؤ، لیکن اسلامی تعلیمات کو عقل و نقل کے اصولوں کے منافی ثابت نہیں کر سکتے، کہ یہ خدا کا چراغ ہے، جسے پھونکوں سے بجھانے والے خود مٹ گئے اور مٹ جاتے رہیں گے۔

۳۔ کیا صحابہ مرتد ہو گئے تھے؟:

رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ خطبہ دیتے ہوئے اپنے حوض کا ذکر کیا، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، آپ نے اس خطبہ میں فرمایا:

أَلَا وَإِنَّهُ يُجَاءُ بِرِجَالٍ مِّنْ أُمَّتِي فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ، فَأَقُولُ : يَا رَبِّ أُصَيْحَابِي ، فَيُقَالُ : إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ، فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ : ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ، فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾(المائدة : 117)، فَيُقَالُ : إِنَّ هٰؤُلَاءِ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلٰى أَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ .

''میری امت کے لوگ میرے حوض پر آئیں گے۔ان کو دائیں جانب سے پکڑ لیا جائے گا، میں کہوں گا،اللہ! یہ میرے امتی ہیں، کہا جائے گا: پیغمبر تو نہیں جانتا کہ انہوں نے تیرے بعد کیا کیا بدعات ایجاد کر لی تھیں،تو میں وہی بات کہوں جو اللہ کے نیک بندے عیسیٰ اپنی امت کے متعلق کہیں گے:''میں جب تک ان میں تھا، ان کا گواہ تھا، پھر جب میں تیرے پاس آ گیا،تب تو ہی ان پر گواہ تھا۔'' پھر کہا جائے گا،آپ کے ان کو چھوڑ آنے کے بعد یہ لوگ اپنے پاؤں کے بل پھر گئے تھے۔''

(صحيح البخاري : 4635 ، صحيح مسلم : 2807)

سیدنا سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ أَقْوَامٌ أَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُونِي ، ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ .

''میرے پاس حوض پر کچھ اقوام آئیں گی، میں انہیں پہچان لوں گا اور وہ مجھے پہچان لیں گے، پھر میرے اور ان کے درمیان دیوار حائل کر دی جائے گی۔''

(صحيح البخاري : 6583 ، صحيح مسلم : 2290)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حوض کوثر کا ذکر کیا، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے محبوب! آپ ہمیں پہچان لیں گے؟ فرمایا: جی، پہچان لوں گا۔

سِيمَا لَيْسَتْ لِأَحَدٍ غَيْرِكُمْ تَرِدُونَ عَلَيَّ غُرًّا مُّحَجَّلِينَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوءِ، وَلَيُصَدَّنَّ عَنِّي طَائِفَةٌ مِّنْكُمْ فَلَا يَصِلُونَ، فَأَقُولُ: يَا رَبِّ هٰؤُلَاءِ مِنْ أَصْحَابِي، فَيُجِيبُنِي مَلَكٌ، فَيَقُولُ: وَهَلْ تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ؟

''میری امت کی ایک مخصوص نشانی ہے، جو دوسروں کی نہیں ہے، آپ میرے پاس آئیں گے، تو وضو کے آثار کی وجہ سے چمک رہے ہوں گے، پھر ایک گروہ کو مجھ سے دور کر دیا جائے گا، وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے، میں کہوں گا، اللہ! یہ میرے امتی ہیں، تو فرشتہ کہے گا: اے پیغمبر! کیا آپ جانتے ہیں کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا بدعات ایجاد کر لی تھیں؟''

(صحیح مسلم: 247)

ان احادیث میں ''اصحابی'' کا لفظ وارد ہوا ہے اور ہم نے اس کا ترجمہ امتی کیا ہے، کیونکہ عربی زبان میں صاحب، امتی کے معنی میں بھی مستعمل ہوا ہے، اسی طرح پیروکار کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے، جیسا کہ اصحاب ابی حنیفہ، اصحاب مالک، اصحاب شافعی وغیرہ کہا جاتا ہے، تو اس سے مراد ان کے مذہب پر چلنے والا طائفہ اور گروہ ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ بعض احادیث میں صریحا امتی کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے، سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنِّي عَلَى الْحَوْضِ حَتّٰى أَنْظُرَ مَنْ يَرِدُ عَلَيَّ مِنْكُمْ دُونِي،

فَأَقُولُ : يَا رَبِّ مِنِّي وَمِنْ أُمَّتِي ، فَيُقَالُ : هَلْ شَعَرْتَ مَا عَمِلُوا بَعْدَكَ، وَاللّٰهِ مَا بَرِحُوا يَرْجِعُونَ عَلٰى أَعْقَابِهِمْ .

''میں حوض پر ہوں گا کہ آپ میں سے کچھ لوگ میرے پاس آئیں گے، میں کہوں گا: اللہ! یہ مجھ سے ہیں اور میری امت سے ہیں، کہا جائے گا: آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا اعمال کئے، یہ لوگ اپنے پاؤں کے بل پھر گئے۔''

(صحيح البخاري : 6593، صحيح مسلم : 27)

اس حدیث سے دو چیزیں کھل گئی ہیں:

① امتی کے لفظ نے اصحابی کا معنی متعین کر دیا ہے، احادیث ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔

② ایک ہی لفظ کے مختلف معنوں کی صریح مثال موجود ہے، وہ یوں کہ اس حدیث میں ایک لفظ استعمال ہوا ہے: ''منی'' اللہ یہ مجھ سے ہیں، یہی لفظ اہل بیت کے متعلق بھی استعمال ہوا ہے کہ وہ ''منی'' مجھ سے ہیں۔

اس سے وضاحت ہوگئی کہ ایک ہی لفظ مختلف مواقع پر الگ الگ معانی میں مستعمل ہو سکتا ہے، کیونکہ جب اہل بیت کے لئے ''منی'' بولا گیا، تو ایک خاص امتیاز دینا مراد تھا، لیکن اس روایت میں صرف امتی کے لئے ''منی'' کا لفظ بول دیا گیا، حالانکہ وہ بدعتی بھی ہے۔

لہٰذا صرف لفظوں کے پیچھے بھاگنا درست نہیں، وگرنہ کوئی بد بخت ہی ہوگا جو ''منی'' کے لفظ سے اہل بیت کی مراد خاص کر کے ان کو اس حدیث کا مصداق ٹھہرا دے، ہم اس شخص پر تف کہتے ہیں اور اس کی عقل پر افسوس کرتے ہیں۔

اسی طرح جو شخص اصحابی کا لفظ صرف صحابہ کرام کے لئے خاص کر لے، اس کی عقل پر بھی تھو کرتے ہیں۔

امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ (۲۷۶ھ) فرماتے ہیں:

''بھلا کیوں کر ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اسلام سے پھر جانا ہو، انہیں لوگوں کی مثالیں اللہ تورات و انجیل میں بیان کر دے، ان سے رضا کے پیمانے جاری کر دے، اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، یا تم کہو کہ اللہ کو ان کے مرتد ہو جانے کی خبر تھی، پھر بھی اللہ نے ان کی طرف رضا کے سرٹیفیکیٹ بھیج دیئے، یا تم کہو کہ اللہ کو خیر سے پتہ ہی کوئی نہیں تھا، یہ تو ہم کو پتہ چل گیا، جو بھی کہو گے، کافر قرار دیئے جاؤ گے۔''

(تاویل مختلف الحدیث، ص 342)

یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ میں سے کوئی بھی مرتد نہیں ہوا تھا، بلکہ وہ عرب کے سخت دل بدو لوگ تھے، جو مرتد ہو گئے تھے۔

حافظ خطابی رحمہ اللہ (۳۸۸ھ) لکھتے ہیں:

لَمْ يَرْتَدَّ أَحَدٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ بَعْدَهٗ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَإِنَّمَا ارْتَدَّ قَوْمٌ مِّنْ جُفَاةِ الْأَعْرَابِ .

''نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ میں سے تو کوئی بھی مرتد نہیں ہوا، بلکہ عرب کے سخت دل خانہ بدوشوں کا ایک گروہ مرتد ہوا تھا۔''

(إعلام الحديث : 1843/3)

اس تصریح سے بعض منکرین حدیث کا اعتراض بھی ہوا ہو جاتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ

بخاری و مسلم میں قرآن کے مخالف احادیث موجود ہیں، قرآن تو صحابہ کی شان بیان کرتا ہے اور حدیث ان کو مرتد کہتی ہے، حالانکہ حدیث نے بالکل بھی صحابہ کو مرتد نہیں کہا، جیسا کہ ہم تفصیل بیان کر چکے۔